سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۳۶

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سرکارِ دو عالم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلعم
کی حیاتِ طیبہ کا مختصر تعارف

از قلم معجز رقم
سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ آنے

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

کا چھتیسواں ۳۶ تبلیغی رسالہ "رسولِ خدا" آپ کے ہاتھوں میں ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے زیر
شائع ہو کر سندِ قبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اس صحیفہ مبارکہ میں سرکارِ ختمی مرتبت حضرت محمد رسول اللہ
خاتم النبیین صلعم کی زندگی کے مختصر حالات ہیں۔ جو قیامت تک تمام انسانوں کیلئے اسوۂ حسنہ ہیں۔

امامیہ مشن لکھنؤ نے چودہ معصومین ع کی مختصر سوانح حیات شائع فرما کر قوم کی اہم ترین ضرورت کو
پورا کرتے ہوئے اپنی بیدار مغزی اور روشن دماغی کا ثبوت دیا ہے۔ اختصار اتنا کہ ۱۶ صفحات کے اند
میں پوری سوانح عمری آجائے اور جامعیت کا یہ عالم کہ ضروری واقعات کے سمندر کو سمیٹ کر کوزے میں
سمو دیا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سے مبسوط کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ان معصومین ع کی ذواتِ مقدسہ
اہمیت یہ کہ ہر ذی شعور ابن آدم پر ان کی محبت واجب کر دی گئی ہے مگر ان کے حالات پر مبسوط
کتب کا حصول مشکل اور پھر پڑھنے کیلئے زندگی کی مصروفیات حائل اور ولادت و شہادت کے دن
حالات کے سننے کا اشتیاق، بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے آسان زبان میں حالات پر مشتمل کتب
کی کمی ان تمام مشکلات کا حل سرکار سید العلماء مدظلہ العالی نے اس اختصار نویسی سے کر دیا ہے
جس کے لئے قوم کما حقہٗ ان کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

اس قلیل القیمت اور کثیر المنفعت سلسلہ اشاعت سوانح حیات کا عظیم ترین فائدہ
کہ ناواقف حضرات تک پہنچانے کیلئے مجالس و محافل میلاد میں ان کو بطور تبرک تقسیم کیا جاتا
ہے اور جو حضرات کسی وجہ سے مجلس و محفل میں شرکت نہ کر سکتے ہوں وہ اپنے اہل و عیال او
متوسلین کو اپنے گھر میں جمع کر کے اس مختصر رسالہ کو پڑھ کر مستفید و مثاب ہو سکتے ہیں

ابنائے ملت سے اپیل ہے کہ ان رسائل کو نہ صرف بچوں کی واقفیت کے لئے ہر گھر میں
بلکہ تبلیغ و اشاعت کیلئے مشن سے رعایتی قیمت پر منگوا کر اپنے ماحول میں مفت تقسیم
کا اہتمام فرمائیں۔ مفت تقسیم کیلئے ۱۰۰ رسائل (کوئی ایک یا ملا کر) کے خریدار کو ۲۵ فیصدی رعایت دی

خادمِ دین: سید حسن علی شاہ کاظمی جنرل سیکریٹری امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ سَيِّدِ
الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ۔

اسلام نے ایک "نظامِ تمدن" کی حیثیت سے تاریخ عالم میں جو نمایاں جگہ حاصل کی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے "پیغمبر اسلام" کی سیرتِ زندگی میں صرف اس مذہب کے پیروؤں ہی کے لیے ایک مقدس اور بابرکت ذکر مجموعہ کی جاذبیت نہیں ہے۔ بلکہ تاریخ عالم میں انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقاء کی ایک نمایاں منزل ہونے کی بناء پر اسے مشترکہ اہمیت حاصل ہے۔

یہ بدقسمتی ہے کہ بالعموم کالجوں اور اسکولوں کے مسلمان بچے بھی دوسرے فلاسفہ و شعراء وغیرہ کے حالاتِ زندگی سے بہ نسبت اپنے رسولؐ کے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں۔

مقدس رہنمایانِ دین کے مختصر حالات کا یہ سلسلہ اسی لیے شروع کیا جا رہا ہے کہ جنہیں بڑی بڑی کتابوں کے پڑھنے کی فرصت نہیں ہے وہ ان مختصر حالات کو پڑھ کر مستفید ہو سکیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت خاتم الانبیاء پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس حالات کے ماتحت اس رسالہ کی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔

نام و نسب

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں ایک فرزند اسحقؑ کی اولاد سے بنی اسرائیل تھے۔ جن میں حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور بہت سے دوسرے پیغمبر ہوئے اور دوسرے فرزند اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹوں میں قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی جن میں عدنان سب سے زیادہ مشہور تھے۔ پیغمبر اسلامؐ انہی کی اولاد میں سے

تھے۔ آپ کا نسب نامہ عدنان تک اس طرح ہے:-

محمدؐ ابن عبداللہ، بن عبدالمطلب، بن ہاشم، بن عبدمناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نضر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

ان میں سے نضر بن کنانہ کی اولاد قریش کہلاتی تھی۔ حضرتؐ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ تھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرتؐ ماں اور باپ دونوں طرف سے قریش کے ممتاز قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

ولادت

سنہ ۵۷۰ عیسوی میں جس سال ابرہہ حبشی نے خانہ کعبہ پر ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ فوج کشی کی ہے جس سے عربوں نے "عام الفیل" کے نام سے سنہ مقرر کر لیا، اسی سال جمعہ کے دن ۱۷ ربیع الاول کو حجاز کی سرزمین "مکہ" پر حضرتؐ کی ولادت ہوئی۔

یتیمی

تاریخی حیثیت سے یہ مسلّم ہے کہ حضرتؐ کے سر پر باپ کا سایہ دنیا میں باقی نہیں رہا۔ آپؐ کے والد جناب عبداللہ کا انتقال ہو گیا اسی وقت جب آپؐ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے یا پیدا ہونے کے بعد آپ دو مہینے یا سات مہینے کے تھے یا زیادہ سے زیادہ دو برس یا دو برس اور چار مہینے، یہ آخری مدت ہے۔ بہرحال مورخین میں اس کی تعیین میں اختلاف ہے جس میں کوئی قابل اطمینان فیصلہ دشوار ہے۔ صورت حال کی حسرت خیزی اور بڑھ جاتی ہے۔ اس سے کہ چھ سال کی عمر جب ہوئی تو شفیق ماں کا بھی سایہ سر سے اٹھ گیا۔ معلوم ہوتا ہے قدرت کی مرضی یہی تھی کہ تمام عالم کو اپنی محبت وشفقت کے سایہ میں جگہ دینے والا خود باپ اور ماں دونوں کے سایہ عاطفت سے کمسنی ہی میں محروم ہو جائے۔

تربیت

قبیلۂ بنی سعد میں سے حلیمہؓ وہ خوش قسمت خاتون تھیں جو رسول اللہ ص کی رضاعت (دودھ پلانے) کے لئے مقرر ہوئیں اور اس دوران میں انہوں نے آپؐ کو اپنے گاؤں میں رکھا۔ اس کے بعد چھ برس کے سن تک آپؐ اپنی والدۂ گرامی کے ساتھ رہے۔ جب ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو آپؐ کے دادا عبدالمطلبؑ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت و شفقت کے ساتھ آپؐ کی پرورش شروع کی۔ مگر دو برس کے بعد جناب عبدالمطلب کی بھی وفات ہو گئی۔ انہیں اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں فکر تھی تو اس بچہ کی حفاظت و نگہداری کی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ آگے چل کر دنیا کے سامنے اس کا بہت بڑا مرتبہ نمایاں ہوگا۔ اس لئے جب اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنے فرزند ابوطالبؑ کو بلا کر محمدؐ کو ان کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ دوسرے بھائی سن میں ان سے بڑے موجود تھے مگر عبدالمطلبؑ کی نگاہ دوربین دیکھ رہی تھی کہ محمدؐ کے لئے جس طرح ابوطالبؑ جان نثاری کے ساتھ خدمات انجام دیں گے اس طرح کوئی دوسرا انجام نہیں دے گا۔

چنانچہ ابوطالبؑ نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک ہر طرح کے سخت سے سخت اوقات میں محمد مصطفےٰ ص کی نصرت و حمایت میں اس عہد کو پورا کیا جو وہ اپنے بزرگ مرتبہ باپ عبدالمطلبؑ سے ان کی اکھڑی ہوئی سانسوں کی آخری آمد و رفت کے عالم میں کر چکے تھے۔ آٹھ برس کے سن سے اپنی زندگی بھر رسول ص کے ساتھ ان کے چچا ابوطالبؑ وہ محبت کرتے رہے جو اپنی اولاد کے ساتھ صرف کرتے تھے۔ اور چچی فاطمہ بنت اسد وہ شفقت کرتی تھیں جس سے رسول ص کو ماں کی محبت کا لطف حاصل ہو جاتا تھا۔ اسلئے آپؐ نے خود فاطمہ بنت اسد کے انتقال کے موقعہ پر یہ الفاظ فرمائے کہ "یہ میری ماں کے بعد میرے لئے ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔"

شام کا پہلا سفر

جب حضرت کی عمر بارہ (۱۲) برس کی تھی تو ابو طالبؑ نے تجارت کے لئے شام کی جانب سفر کیا۔ اس سفر میں آپؐ بھی اپنے چچا کے ساتھ گئے اور اسی ذیل میں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر ان آثار کی بنا پر جو گذشتہ آسمانی کتابوں میں مذکور تھے کہا کہ یہ بچہ نبی ہونے والا ہے اور اسے بڑا اقتدار حاصل ہوگا۔ یہ ملاقات بحیرا سے اثنائے راہ میں صرف تھوڑی دیر کے لئے ہوئی تھی۔ کوئی غلط روایت بھی اس کا پتہ نہیں دیتی کہ آپؐ نے وہاں کچھ عرصہ تک قیام کیا ہو۔

حلف الفضول میں شرکت

جب آپؐ کی عمر بیس (۲۰) سال کی تھی تو قریش میں حلف الفضول کا عہد نامہ ہوا، کہ جو بے نظیر شریفانہ اصولوں پر مبنی تھا۔ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد قبائل عرب میں مطلق العنانی اور بے آئینی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ پردیسیوں کے جان و مال مکہ میں محفوظ نہ رہے تھے۔ اس لئے بنی ہاشم کی دعوت پر زہرہ اور تیم کے قبیلے بھی متفق ہوئے اور سب نے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہو کر یہ عہد کیا کہ "ہم ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور اسوقت تک چین نہ لیں گے جب تک کہ اس کی شکایت رفع نہ ہو جائے اور ہم ایک دوسرے کی حق کوشی میں معاونت کریں گے" اس معاہدہ میں حضرت محمد مصطفےٰ نے بھی شرکت فرمائی۔ یہاں تک کہ ظہورِ اسلام کے بعد جب عرب کے دوسرے زمانہ جاہلیت کے معاہدات کالعدم کر دیئے گئے تھے تو بھی آپؐ اس معاہدہ کا اپنے کو پابند سمجھتے ہوئے فرماتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی مجھے اس معاہدہ کی بنا پر آواز دے تو میں اس کی آواز پہ لبیک کہوں گا۔

سفرِ تجارت

رسولؐ کی عمر پچیس سال کی تھی جب آپ خدیجہؑ بنت خویلد

کے اموالِ تجارت کو لے کر شام کی طرف گئے۔ یہ تجارت کی مہم اتنی کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی کہ جتنا نفع ہر سال حضرت خدیجہؑ کو ہوا کرتا تھا اس سے دگنا نفع اس سال ان کو حاصل ہوا۔

شادی

تجارتی معاملات کے ذیل میں رسولؐ کے محاسن اخلاق، امانت و دیانت اور بلندی ذات وصفات کا جناب خدیجہؑ کے دل پہ نہایت گہرا اثر پڑ چکا تھا اور خود جناب خدیجہؑ کے حسنِ معاملت اور کردار کا رسولِ خداؐ کی نظر میں بھی وزن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپؐ کو جناب خدیجہؑ کے ساتھ شادی کے پیغام دینے کی طرف متوجہ کیا گیا تو آپؐ نے صرف یہ عذر فرمایا کہ خدیجہؑ کافی مالدار ہیں، میری اتنی مالی حیثیت نہیں ہے کہ میرے ساتھ شادی پر تیار ہو سکیں۔ لیکن درمیانی شخص نے جب ان کے رضامند ہونے کی ذمہ داری لی تو آپؐ نے بخوشی پیغام دینا پسند فرمایا۔ وہی ہوا کہ جناب خدیجہؑ نے اسے فوراً منظور فرما لیا۔ چنانچہ تاریخ عقد مقرر ہوئی اور جناب خدیجہؑ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور حضرت کی جانب سے آپ کے چچا ابوطالبؑ نے خطبۂ عقد اور ایجاب و قبول کے مراسم ادا کیے۔ باوجودیکہ جناب خدیجہؑ عمر میں حضرتؐ سے کافی زیادہ تھیں مگر ان کے حسنِ سیرت کی آپ کی نظر میں اتنی عزت تھی کہ آپؐ نے ان کی زندگی میں کبھی دوسری عورت سے عقد کا تصور بھی نہیں فرمایا۔

سیرت کی بلندی

بچپن سے جوانی تک کی زندگی کے تجربات نے عربوں پر یہ اثر کیا کہ انہوں نے متفقہ طور پہ آپ کی راست بازی اور دیانتداری کو تسلیم کر لیا اور آپ کو صادق اور امین کے القاب سے یاد کرنا اور اپنی امانتوں کو آپ کے پاس رکھوانا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ اہم معاملات میں

آپ کے مشوروں کو قابلِ قبول سمجھنے لگے۔ چنانچہ خانۂ کعبہ کی مرمت کے موقع پر حجرِ اسود کے نصب کرنے کی عزّت حاصل کرنے کی کوشش میں مختلف قبیلوں کے درمیان جو تنازعہ کی صورت ہو گئی تھی وہ آپؐ ہی کے حکیمانہ فیصلہ سے دور ہوئی اور سب نے اس کو بخوشی تسلیم کر لیا۔

بعثت

حضرتؐ کی عمر چالیس برس کی تھی جب آپ ۲۷ رجب کو تبلیغِ رسالت کے فریضے پر مامور ہوئے اور عملی طور پر خداوندی پیغام کے حامل قرار پائے۔ آپ نے بحیثیت رسولؐ اپنے پیغام کو سب سے پہلے اپنی رفیقۂ حیات خدیجہؓ بنت خویلد تک پہنچایا۔ جس پر وہ سچے دل سے ایمان لائیں۔ اور آپؐ کے چچازاد بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ جو برابر آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی رسالت کی تصدیق کے پہلے سے عینی شاہد تھے۔ آپؐ کے دعوائے رسالت کے سب سے پہلے گواہ بنے۔ پھر روز بروز دوسرے افراد تک بھی یہ آواز پہنچتی گئی اور اکا دکا لوگ آپ کے دعوے پر ایمان لاتے رہے۔ مگر ابھی تک تبلیغِ رسالت رازداری کے ساتھ خاص خاص لوگوں کے سامنے کی جاتی تھی اور علی الاعلان اپنی آواز کو بلند کرنے کا موقع نہ آیا تھا۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے انہیں بھی یہی حکم تھا کہ وہ مخفی طور پر اپنے مذہبی فرائض انجام دیں اور اس کی عام اشاعت نہ کریں۔

دعوتِ عشیرہ

تین برس اس طرح رازداری کے ساتھ فرضِ تبلیغ ادا ہونے کے بعد دوسری منزل یہ تھی کہ اپنے قریبی عزیزوں کے مجمع میں اعلان کا حکم آیا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو حکم دیا کہ دعوت کا سامان کرو۔ چنانچہ سامان دعوت کیا گیا اور اس میں تمام قریش کے ممتاز افراد کو مدعو کیا گیا۔ سب جمع ہوئے کھانے کے بعد حضرتؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ "میں وہ پیغام لے کر آیا ہوں جو دنیا و آخرت دونوں میں بہتری کی ضامن ہے۔ میں خلق خدا کو

اور اصلاحِ عمل کی طرف بلانے پر مامور ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس مہم میں میرا ساتھ دے گا۔ تاکہ وہی میرا رفیق میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو گا۔ مجمع میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر بس ایک نوجواں نجنت بچہ تھا جو اٹھ کھڑا ہوا اور کہا میں آپ کا اس مہم میں دست و بازو ہوں گا۔ یہ علیؑ بن ابیطالبؑ تھے جو عملی طور پر پہلے ہی سے رسولؐ کے بازو بنے ہوئے تھے اور اب اس طرح وہ تمام مجمع کے سامنے بھی عہدِ وفاداری کر رہے تھے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور کہا کہ بس یہ میرا رفیق میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔

مصائب و شدائد

رسولؐ نے قریش کے سامنے علانیہ بت پرستی کی مذمت اور خدا پرستی کی تبلیغ شروع کر دی۔ قریش آپ کی ایذا رسانی پر آمادہ ہوتے۔ مگر ابوطالبؑ کی شخصیت سے جو آپ کی محافظ تھی وہ مجبور رہ جاتے تھے۔ آخر اُن میں کے جو ممتاز افراد تھے وہ مل کر ابوطالبؑ کے پاس آئے اور بہت تلخ الفاظ میں رسولؐ کی شکایت کی اور کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو روکیے اور یا آپ درمیان سے ہٹ جائیے۔ ہم ان سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالبؑ نے حضرتؐ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں کلمۂ حق سے خاموش نہیں ہو سکتا۔ ابوطالبؑ نے ان لوگوں کو صاف جواب دے دیا۔ جس سے ان کی عداوت کا شعلہ اور زیادہ بھڑک گیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان غریب مسلمانوں کو بہت تکلیف پہنچانے لگے جنہوں نے رسالتِ پیغمبرؐ پر ایمان قبول کیا تھا۔

ہجرتِ اولیٰ

بعثت کے پانچویں سال مسلمانوں پر مظالم بہت ہونے لگے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ [...] تعداد میں مسلمان حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان مہاجرین کے سرگروہ جعفرؓ بن ابی طالبؑ

تھے جنہوں نے بہترین طریقہ پر عیسائی بادشاہ کے دربار میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی اور تبلیغ کا بھی فرض انجام دیا جس سے بادشاہ اور ارکانِ سلطنت کے دل پر اسلامی مذہب کی عظمت کا سکہ جم گیا اور مسلمانوں کو وہاں اطمینان و سکون کے ساتھ قیام کا موقع ملا۔

محاصرہ

حبشہ میں مسلمانوں کی کامیابی کے حالات کو سُنکر مشرکین کے بغض و حسد میں اور ترقی ہوئی اور انہوں نے آپس میں متفق ہو کر یہ طے کیا کہ بنی ہاشم کا پورے طور پر بائیکاٹ کیا جائے نہ صرف یہ کہ انکے ساتھ بیاہ شادی جائز نہ سمجھا جائے بلکہ ان کے ساتھ خرید و فروخت بھی نہ کی جائے بلکہ یہاں تک کہ ضروریاتِ زندگی پانی اور کھانا تک پہنچنے نہ دیا جائے۔ ناچار ابوطالبؑ نے رسولؐ کو اپنے ایک محفوظ مکان میں جو پہاڑ کی گھاٹی میں ایک قلعہ کی صورت پر تھا منتقل کر دیا۔ یہ واقعہ رسالت کے ساتویں سال کا ہے اور تین برس مسلسل یہ محاصرہ قائم رہا۔ اس دوران میں حضرت رسولِ خداؐ اور آپکے ساتھ تمام بنی ہاشم کو سخت تکالیف و شدائد کا مقابلہ کرنا پڑا یہاں تک کہ کبھی کبھی وقت ایسے گذر جاتے تھے کہ آپ کو طعام میسر نہ آتا۔ آخر تین برس کے بعد یہ بائیکاٹ ختم ہوا اور یہ لوگ قلعہ سے باہر نکل سکے۔

دو بڑے صدمے

افسوس ہے کہ اس محاصرہ کے ختم ہوتے ہی دو ہی مہینے کے بعد بعثت کے دسویں سال ابوطالبؑ کا اور ان کے صرف پینتیس ۳۵ دن بعد خدیجہؑ بنت خویلد کا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں کی رحلت کا رسول اللہؐ کو شدید صدمہ پہنچا۔ اسی سے آپؐ اس سن کو "عام الحزن" (رنج کا سال) فرمایا کرتے تھے۔

طائف کا سفر

ابوطالبؑ کے بعد قریش کی ایذا رسانی بہت بڑھ گئی۔ وطن کی زمین رسولؐ کیلئے تنگ ہو گئی۔ آپکو اسلام کی اشاعت کیلئے اب کسی مناسب مقام کی تلاش بھی تھی چنانچہ آپ نے بعثت کے دسویں برس کے آخر میں ایک پناہ گزین کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ایک داعی حق کی حیثیت طائف کی جانب سفر کیا۔ بالکل بے زاد و بے توشہ صرف زیدؓ بن حارث کو ساتھ لئے ہوئے آپ نے اس سرسبز مقام پر دس دن قیام کیا اور فرداً فرداً اسلام کا پیغام ہر ایک تک پہنچایا مگر افسوس

ہدایت کی کھیتی کیلئے یہ شاداب زمین بھی بنجر ثابت ہوئی۔ نہ صرف یہ کہ ان لوگوں نے آپکی آواز پر لبیک نہیں کہی بلکہ آپکو یہاں ٹھہرنے بھی نہیں دیا گیا اور جسم مبارک پر پتھر مار کر مجروح کئے۔ آپ پھر مکہ معظمہ واپس آ گئے مگر یہ تمام مشکلات آپکے قدم کو راہِ حق میں مسلسل کوشش سے باز نہ رکھ سکیں۔

انصار کی ملاقات

مکہ معظمہ میں ہر سال مجنہ اور عکاظ کے جو بازار لگتے تھے اور ان میں مختلف اطراف و جوانب کے قبائل جمع ہوتے تھے۔ اس موقعہ پر شعرائے عرب اپنے قصیدے سناتے تھے، تجار اپنے اموالِ تجارت لاکر فروخت کرتے تھے اور رسولؐ کا کام یہ تھا کہ وہ قبائل عرب کے سامنے اپنے پیغامِ توحید کو پیش کر کے انکو اپنی حمایت و نصرت کی دعوت دیتے تھے مگر دعوتِ حق کی آواز انہی دلوں پر اثر کیا کرتی ہے جن میں کچھ صلاحیتِ قبول کی روشنی موجود ہوتی ہے۔ جبکہ اکثر قبائل بجائے وعدۂ نصرت کے حضرتؐ کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے اور ایذا رسانی پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ یثرب کی سرزمین کی ایک جماعت خوش قسمتی سے اس صدا سے متاثر ہو گئی اور انہوں نے عقیدۂ حق کو قبول کر کے آپکی امداد و نصرت کا وعدہ کر لیا۔ یہ تھا انصار کا پہلا گروہ جو شرفِ اسلام سے مشرف ہوا اور پھر انہوں نے اپنے شہر جا کر رسولؐ کا پیغام پہنچایا اور بہت سے افراد نے غائبانہ آپ پر ایمان اختیار کیا۔ دوسرے سال ان میں کے بارہ آدمی رسولؐ سے آکر ملے اور آپ سے عقائدِ اسلامیہ کی تعلیم حاصل کی اور تیسرے سال تہتر آدمیوں نے حاضر ہو کر اس سعادت کو حاصل کیا۔ اب مدینہ میں اسلام کافی طور پر پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے جن میں سے [illegible] تعلیماتِ اسلامی سے متاثر ہو کر اس سعادت کو حاصل کر رہے تھے اور ابھی انکو آنکھوں سے رسولؐ کے چہرۂ مبارک کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی۔

مدینہ کی طرف ہجرت

یثرب میں اسلام کی کامیابی کی خبریں سن سن کر اہلِ مکہ کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا تھا اور وہ اب مسلمانوں کو اور زیادہ ناقابلِ برداشت تکلیفیں پہنچانے لگے۔ آخر رسولِ خداؐ نے انکو یثرب کی جانب ہجرت کی اجازت دی اور رفتہ رفتہ مسلمان مکہ سے نکل گئے۔ صرف رسولِ خداؐ، علی مرتضیٰؑ اور چند دوسرے مسلمان باقی رہ گئے

اب مشرکین کو یقین ہو گیا کہ رسالت مآبؐ کیلئے یثرب میں ایک محفوظ جائے پناہ حاصل ہو گئی ہے اور
عنقریب یہ خود بھی وہاں پہنچ جائینگے تو ہمارے مقابلہ میں ان کو بڑی طاقت حاصل ہو جائیگی اسلئے دار الندوہ
میں جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ رات کیوقت آپکے گھر کو گھیر کر آپکے چراغِ زندگی کو خاموش کر دیں۔
حضرت رسولؐ کو اسکی اطلاع پہنچ گئی۔ اور آپ نے طے فرما لیا کہ آپ اپنے بستر پر علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام
کو لٹا کر خود مخفی طریقہ سے زمین مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ بن ابی طالب
اپنے کو خطرے میں ڈالکر رسولؐ کے بستر پر آرام کیا اور حضرت دشمنوں کی نگاہوں سے مخفی رہ کر مدینہ کی
طرف روانہ ہو گئے اس اہم واقعہ کو ہجرت کہتے ہیں اور اسی سے مسلمانوں میں ہجری تاریخ کی ابتدا ہوئی
ہے جسے اس وقت تک تیرہ سو چھہتر برس پورے ہو چکے ہیں۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر

سب سے پہلا کام جو رسولؐ نے مدینہ پہنچکر کیا وہ مسجدِ نبوی کی تعمیر تھی جس
میں تمام مسلمانوں کے ساتھ خود رسولؐ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لانے میں
شریک تھے۔ شروع شروع میں ایک قدِ آدم اونچی چار دیواری پر اکتفا کی گئی۔ پھر جب نمازیوں کو دھوپ
سے تکلیف ہوئی تو شاخہائے درخت خرما کا ایک سائبان ڈلوا دیا لیکن چھت باوجود اصحاب کے
اصرار کے بنوانا پسند نہیں فرمائی۔ اس مسجد کے گرد چھوٹے چھوٹے مکانات اپنے اعزا اور ضرورتمند
اصحاب کیلئے بنوائے جن کے دروازے پہلے مسجد ہی میں کھلتے تھے مگر بعد کو سوائے حضرت علیؑ ابن ابیطالب
اور سب کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کر دیئے گئے اور آمد و رفت باہر سے قرار دے دی گئی۔

جہاد

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسولؐ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گئے اور انکا مذہب دن دگنی رات
چوگنی ترقی کر رہا ہے تو انکی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ
مل کر کوششیں کرنے لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں۔ اسکے نتیجہ میں حضرت کو مشرکین قریش
اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں لڑنا پڑیں جن میں سے اہم موقعوں پر حضرت خود فوج اسلام
کے ساتھ تشریف لیگئے۔ ایسی مہموں کو "غزوہ" کہتے ہیں اور جن موقعوں پر آپ اپنے اصحاب میں
کسی کو فوج کا سردار بنا کر بھیج دیا کرتے تھے ان کو "سریہ" کہا جاتا ہے غزوات کی مجموعی تعداد

چھبیس ۲۶ ہے جن میں بدر، اُحد، خندق، خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں اور سریوں کی تعداد چھتیس ۳۶ تھی جن میں سب سے مشہور جنگ موتہ ہے جس میں جعفر طیارؑ شہید ہوئے۔

صلح حدیبیہ

بدر و اُحد کی لڑائیوں کے بعد جب کچھ عرصہ تک مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی جنگی کاروائی نہیں ہوئی تو ہجرت کے چھٹے سال حضرتؐ نے مکہ معظمہ کے [حج] کا ارادہ کیا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مگر جب قریشیوں کو [رس]ولؐ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ مکہ سے باہر نکل کر رسولؐ کا راستہ روکنے پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے [کہا کہ] ہم اپنی آنکھوں سے آپؐ کا شہر مکہ میں ورود نہیں دیکھ سکتے۔ مکہ والوں کا یہ جارحانہ اقدام دیکھ کر [رس]ولؐ نے امن پسندی سے کام لیتے ہوئے ان کے ساتھ ایک تحریری صلح نامہ کر دیا۔ اس صلحنامہ کے [کات]ب حضرت علیؑ بن ابی طالب تھے۔ اس کے شرائط حسب ذیل تھے:-

۱۔ رسولؐ اس سال مع اپنے متبعین کے بغیر حج کئے ہوئے واپس جائیں۔

۲۔ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہ ہو۔

۳۔ اگر مکہ والوں میں سے کوئی جا کر مسلمانوں میں شامل ہو جائے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس کر دیں۔

۴۔ اگر کوئی مسلمان بھاگ کر مشرکین کے پاس آ جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائیگا۔

۵۔ عرب کے تمام قبیلوں کو اختیار ہے کہ چاہے وہ رسولِ اسلامؐ کے ساتھ معاہدہ کر لیں یا مکہ والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

۶۔ سال آئندہ مسلمانوں کو مکہ کی زیارت کا حق حاصل ہوگا لیکن وہ وہاں تین روز سے زیادہ قیام نہیں کر سکیں گے۔

۷۔ مسلمان اس موقع پر اپنے سفری اسلحہ کے ساتھ یعنی تلواروں کو غلافوں میں رکھ کر آ سکیں گے۔

[بع]ض مسلمان اس معاہدہ کے غیر منصفانہ شرائط پر بڑی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے مگر [رسو]لؐ نے اسلئے کہ جارحانہ حملہ کا الزام آپؐ پر عائد نہ ہو ان شرائط پر صلح کر کے مکہ سے واپسی […] اور دوسرے سال معاہدہ کے مطابق حج کیلئے تشریف لےگئے اور حسب معاہدہ تین دن

کے بعد مکہ کو چھوڑ دیا اور مدینہ واپس چلے گئے۔

فتح مکہ

کچھ ہی عرصہ کے بعد مکہ والے اس معاہدہ پر جو رسول اللہ ص کے ساتھ کیا گیا تھا قائم نہیں رہے اور قبیلۂ خزاعہ کو جو پیغمبر اسلام ص کا حلیف تھا بکر کے قبیلہ نے جو مشرکین کا حلیف تھا تیغ از

جب حضرت ص کو یہ معلوم ہوا تو آپ اپنے حلیف قبیلہ کی امداد کیلئے فوراً روانہ ہو گئے اور دس ہزار مسلمانوں فوج کے ساتھ مکہ کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوئے مشرکین میں اب مقابلہ کی طاقت باقی نہ تھی انہوں نے ہتھیار ڈال دینا مناسب سمجھا اور ماہ رمضان ۸ ہجری میں آپ فاتحانہ شان سے مکہ معظمہ میں داخل ہو اب پیغمبر اسلام کا رحم و کرم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور ان لوگوں کی جن سے آپ کو سخت تکلیفیں پہن تھیں جنکی وجہ سے آپ کو اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑا تھا فتح مکہ کے وقت تمام خطائیں معاف کر دی گئیں فتح کے موقعہ پر جب لوگ آپ کی بیعت کر رہے تھے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو سب نے جواب دیا کہ ہمیں اچھائی ہی کی امید ہے آپ فیاض بھائی ہیں اور فیاض بھائی کے فرزند ہیں آپ نے فرمایا جاؤ تم لوگ آزاد ہو۔

دنیا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ رسول خدا ص نے ابوسفیان کو اسکی بیوی ہندہ جس نے حضرت حمزہ ع کی شہادت کے بعد انکا کلیجہ نکلوا کر چبایا تھا وحشی کو جس نے حمزہ ع کو شہید کیا عکرمہ ابوجہل کے بیٹے اور ایسے ہی کئی اشخاص کو جنھوں نے سخت ایذائیں پہنچائی تھیں اور جرائم کے مرتکب ہوئے تھے آج ظاہری اسلام قبول کرنے کے بعد بغیر کسی شرط کے معاف کر دیا کے بعد حضرت نے ڈیڑھ ماہ مکہ میں قیام فرمایا اور ملکی انتظام کیلئے وہ اصول جاری کئے جو مہذب قوموں کی تہذیب کی آج بھی نشانی بن سکتے ہیں۔

حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ھ میں حضرت نے اپنی زندگی کا آخری حج کیا۔ ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ارکان حج ادا کئے۔

واپسی میں مقام غدیر خم پر تمام اطراف و جوانب کے مسلمانوں کے مجمع میں یادگار تاریخی خطبہ فرمایا جس میں آپ نے اپنی وفات کے قریب ہونے کی دردناک خبر سناتے ہوئے ان سے اسطرح ار

تمہارے بارے میں خود تم سے زیادہ اختیارات رکھتا ہوں یا نہیں؟ جب سب نے تسلیم کیا کہ بیشک آپ ہم پر ہم سے زیادہ اختیارات رکھتے ہیں تو آپؐ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر مجمع کے سامنے اونچا کیا اور فرمایا کہ جو اختیارات مجھے تمہاری نسبت حاصل ہیں وہی علیؑ کو تمہاری نسبت حاصل ہونگے۔ اسطرح آپؐ نے اپنے بعد کے لئے جانشین کے نام کا اعلان فرمایا۔ مسلمانوں نے اس پر بڑی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور عام طور سے اس وقت علیؑ رسولؐ کے جانشین تسلیم کر لئے گئے۔

اصول تعلیم اور اخلاق و خصائل

پیغمبر اسلام کی تعلیم کا خاص جوہر تمام افراد انسانی کی نگاہ کو مادیت کے احاطے سے نکال کر ایک غیبی طاقت کی طرف متوجہ کرنا تھا جسکے لحاظ سے تمام افراد انسانی یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ خالق کی توحید اور خلائق کا اتحاد یہی دو بنیادی اصلیں تھیں جن پر حقوق اللہ اور حقوق الناس کی عمارت بلند ہوئی اور تاریخ انسانی میں پہلے پہل شہری اور انسانی حقوق پورے طور پر عام انسانوں کو بالعموم عطا ہوئے جن سے وہ قومیت رنگ، نسل، غربت و فلاکت کی بنا پر محروم رکھے جاتے تھے۔ اس نے پہلے کے تمام تفوق اور بلندی کے امتیازات ختم کرکے ایک نیا امتیاز کا معیار قائم کیا اور وہ یہ کہ فضیلت اعمال و افعال کی بنا پر حاصل ہوتی ہے جو شخص فرائض انسانی کو سب سے زیادہ انجام دیتا ہو وہ سب سے بہتر ہے۔ اخلاق پر بہت زور دیا۔ حضرت فرماتے تھے کہ ”میں بھیجا گیا ہوں صرف اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے“ آپ کے ذاتی اخلاق و خصائل بھی اسی مقصد کے ترجمان تھے۔ آپ اتنی بڑی اصلاحی جماعت کے سردار ہوتے ہوئے فرش پر بیٹھا کرتے، زانو سے زانو ملا کر بیٹھتے اور انکے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے تھے۔ رات رات بھر عبادت خدا ہوتی تھی اتنی کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا اور دن بھر قبائل عرب اور مختلف شہروں سے وفود کی ملاقاتیں ہوتی تھیں، مسائل کا تصفیہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے قضیے حل کئے جاتے تھے۔ ایک انگریز مؤرخ (باسورتھ اسمتھ) نے لکھا ہے کہ تاریخ میں محمدؐ کی سی ہستی یکبارگی وقت اتنے فرائض انجام دیتی ہوئی نہیں دکھائی دیتی یعنی یہ کہ محمدؐ ایک قوم کے بانی ہوئے۔ ایک نئے نظام سلطنت کے بانی ہوئے اور ایک مذہب کے بانی ہوئے۔ تاریخ میں ایسی مثال کوئی دوسری نہیں مل سکتی۔ اس کے ساتھ آپؐ نے کبھی اپنے کو بادشاہ کہا جانا

یا سمجھا جانا پسند نہیں کیا بلکہ اس سے انکار فرمایا۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ جونہی آپکے سامنے کھڑا ہوا رعب سے کانپنے لگا۔ آپنے فرمایا "اپنے آپ میں آؤ۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں ایک قرشی عورت کا بیٹا ہوں جو شوربے میں روٹی کو چورا کرکے (غریبانہ) کھانا کھاتی تھی" اسی مناسبت سے آپکی عادتیں نہایت سادہ تھیں۔ تعمیر کے وقت مزدوروں کی طرح کام کرتے بازار سے اپنا سودا خرید کر لاتے بلکہ ہمسایوں کو بھی خرید کر لا دیتے تھے۔ عفو و کرم آپکا خاصہ اور سختیوں کو ہمت کے ساتھ برداشت کرنا اور عزم و اطمینان کے ساتھ عمل کے جادہ پر قائم رہنا آپ کی سیرت میں نمایاں تھا۔

آپکا عمل آپ کی تعلیم کا مفسر اور آپ کی تعلیم آپ کے عمل کا خلاصہ تھی۔ آپکے طرز بیان کی خاص خصوصیت جامعیت تھی۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں آپ نے وہ اصول ودیعت کر دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتے ہیں۔

قرآن مجید یہ قرآن حقائق و معارف کا وہ خزانہ اور حیات انسانی کا وہ مکمل دستور ہے جو آپکے ذریعہ سے اہل عالم کی ہدایت کیلئے پیش ہوا اور کروڑوں انسانوں نے اُس وقت سے اب تک اس کے تعلیمات سے فیض حاصل کیا اور ہزاروں ایسے افراد نے بھی جو مذہبی حیثیت سے اس پر ایمان کا اقرار نہیں رکھتے اس کی بلندی کا اعتراف کیا ہے۔

وفات دوشنبہ کا دن دوسری ربیع الاول ۱۱ھ یا ایک قول کی بنا پر ۲۸ صفر کی وہ قیامت خیز تاریخ تھی جب چند روز بیمار رہنے کے بعد مصلح عالم پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپکی حسب وصیت آپ کے بھائی اور جانشین حضرت علیؑ بن ابی طالب نے آپکی تجہیز و تکفین فرمائی اور آپکی مسجد کے پاس اسی حجرہ میں جہاں آپکی وفات ہوئی تھی دفن کیا۔

مدینہ منورہ میں آپ کا قبۂ خضرا مسلمانانِ عالم کی زیارت گاہ ہے جہاں وہ مکہ معظمہ کے حج سے پہلے یا بعد جاتے ہیں اور مسجد نبوی اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

علی نقی النقوی

(مطبوعہ: تعلیمی پریس بیرون اکبری گیٹ لاہور)